ڈاکٹر محمد عامر اقبال☆

شارحینِ اقبال کی کاوشوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

A research and critical review of the efforts of commentators of Iqbal

ABSTRACT

The distortions present in Allama Iqbal's Writings give rise to a profound questioning of his thought, philosophy, and personal ideology. This calls for a thorough and meticulous examination by translators and scholars. It is important to contextualize Iqbal's Literacy contributions within the backdrop of his time, a period characterized by a confluence of historical figures and a surge of intellectual movements in the Indian subcontinent. Rarely in the annals of civilization have such eminent personalities congregated together, and Iqbal's presence in this milieu stands out as a shining beacon. This article also explores the concept of "rate" or annotation in Iqbal's work. Rates are composed for various reasons, often aimed at elucidating complex or opaque content, making it more accessible to individual study. They also serve an important purpose in aligning the content with academic curricula, thereby easing the learning process for Kalam-E Iqbal takes into account these objectives, considering the significant role that Iqbal's poetry plays at various academic levels. Regrettably, some translators have erred in their interpretations, superimposing their own biases and perspectives onto Iqbal's original work. These misinterpretations have been criticized by many, as they often deviate significantly from the intended meaning. It is imperative to maintain a comprehensive understanding of Iqbal's entire body of work to accurately quote him. Notable individuals, including Yusuf Salim Chishti, Ghulam Rasool Mehr and Sufi Tabasum, have contributed to the preservation and interpretation of Iqbal's poetry. Shibli Nomani's interpretations of Iqbal's Poems, as evident in his works "Shayar- Ul Ajam" and articles, stands as a testament to his skill and artistry. Unfortunately, contemporary translators on Kalam E Iqbal often struggle to match this level of expertise. Moreover, there are translators who have

☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ

misused their interpretations of Iqbal's words to further their own agendas, drawing strong criticism. However, there are also translators whose contributions are invaluable. A thorough study of this article promises to expand our understanding of Iqbal's thoughts, paving the way for new avenues of research, critical analysis, and potential improvements to the Iqbal curriculum. It is an endeavor that holds great promise for the advancement of scholarship and enrichment of our comprehension of Iqbal's work.
Keywords: Distortions, Ideology, Characterized, Translators, Contemporary Advancement

----

اصل عبارت کو جان بوجھ کر تبدیل کرنا ظلم سے کم نہیں ہے۔ وہ تبدیلی خواہ نیک دلی سے کی جائے، غیر ارادتاً سرزد ہو جائے یا پھر کسی اور مقصد کے تحت یہ تبدیلی کی گئی ہو۔ رفتہ رفتہ یہ تبدیلی نقصان کا باعث بنتی ہے جب آج ہمارے سامنے یہ سب ہو سکتا ہے تو پھر ہمارے پیچھے کیا ہو رہا ہو گا یعنی ماضی بعید میں تحریروں میں جو تحریف سامنے آئی اس کا ایک حصہ آج بھی مشتبہ ہے۔ اقبالیاتی تحقیق کے تین زاویے متعین کریں تو ان میں زندگی کے کوائف، فکر و نظر کی باز آفرینی اور تخلیق کے تناظر۔ ان کا اطلاق کم و بیش ہر فنکار پر ہوتا ہے۔ اقبال چونکہ مفکر بھی ہیں، مدبر بھی اور شاعر بھی اس لیے ان کے افکار و آرا کی باز آفرینی اور ان کے نتائج تک رسائی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ادبی مطالعہ میں متن کی بہت اہمیت ہے۔ متن پر توجہ کیے بغیر اسلوب و انشا پر گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ متن کی تصدیق ان پانچ اصولوں پر کی جا سکتی ہے۔ جس سے کتاب کا معیار جانچا جا سکتا ہے۔

(1) کلام کس کا ہے؟ (2) راوی کون ہے؟ (3) روایت کا مخاطب کون ہے؟ (4) زبان کون سی ہے؟ (5) روایت کی استناد کیا ہیں؟

ڈاکٹر جاوید اقبال کی ''زندہ رود'' جیسی کئی تصانیف منظر عام پر آئی ہیں جن سے متن کا معیار جانچا جا سکتا ہے۔ خطوط میں تحریف کی مثالیں بھی سامنے آئی ہیں۔ مخصوص مذہبی عقیدے کی پردہ پوشی کے لیے اقبال کے ایک خط میں تبدیلی ایک انتہائی نامناسب رویہ ہے۔ شعری متون میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے نامناسب تبدیلیاں کی ہیں۔ ممنون حسین خاں کے نام خطوط دراصل ڈاکٹر راس مسعود کے نام خطوط ہیں جبکہ اس کی تشہیر غلط انداز سے کی گئی ہے۔ تحقیق میں یہ بات مستند ہے کہ مصنف کے ہاتھ سے لکھی ہوئی آخری عبارت ہی مستند ہوتی ہے۔ گویا عمر کے آخری حصے میں اصلاح شدہ مواد ہی اصل متن قرار پاتا ہے۔ مگر جب فکر و نظر کی شرح و بیاں کا معاملہ ہو تو اس کلیہ پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال کے متداول کلام میں جو تبدیلیاں نظر آتی ہیں وہ تشویش ناک حالت اختیار کر چکی ہیں۔ ان پر سنجیدگی سے توجہ دینا ضروری ہے۔ کئی اغلاط کی نشاندہی بھی سامنے آتی ہے اور خاص طور پر ضربِ کلیم کی عبارت میں تغیر کو بہت ہی نامناسب قرار دیا جانا چاہیے۔ محققین اور نقاد فارسی کلیات کی حالت کو اس سے بھی عجیب قرار دیتے ہیں۔ ان اغلاط کی نشاندہی کا سہرا ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے سر ہے جنہوں نے بے مثال محنت سے یہ الفاظ تلاش کیے ہیں۔ تدوین کی اس گمراہ کن حالت سے اجتناب برتنا چاہیے۔

انسان بول کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بولو تا کہ پہچانے جاؤ۔ اس کے بعد لکھنے کا عمل ہے۔ انسانی اظہار کا سب سے موثر ذریعہ یہی سمجھا جاتا ہے۔ اقبال کی جو تحریریں منظرِ عام پر آئی ہیں ان میں بھی اب اغلاط سامنے آتی ہیں۔ اقبال پر تحقیق کا معیار پروفیسر عبد الحق نے اس انداز سے طے فرمایا ہے:

"اقبالیاتی تحقیق کا پہلا زاویہ ان کی حیات کے متعلق ہے جس میں ان کے آباؤ اجداد ،مولد و مسکن، تعلیم و تربیت، سفر و حضر اور معاملات زندگی سے متعلق حقائق شامل ہیں"(1)

اقبال کی لکھی ہوئی ہر سطر کو محفوظ کر لیا گیا ہے اور اس پر تحقیق و تدوین کا کام بھی جاری ہے۔ خطوط پر جو کام ہوا ہے ان میں خامیوں کی نشاندہی بھی سامنے آئی ہے۔ اقبال کے خطوط کے حوالہ سے تحقیق کی زیادہ ضرورت ہے۔ سید مظفر حسین برنی نے کلیات مکاتیب اقبال جلد اول کے دیباچہ میں لکھا کہ:

"ابھی تک اقبال سے منسوب کوئی تحریر سراسر جعلی ثابت نہیں ہو سکی ہے"(2)

ڈاکٹر لمعہ حیدر آبادی کے نام جو خط ہیں وہ جعلی ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اغلاط متن وغیرہ کی ہیں جو ترجمہ کرتے وقت یا نقل کرتے وقت مرتبین سے سرزد ہوئی ہیں۔ڈاکٹر لمعہ کے خطوط اگرچہ برنی صاحب کے مرتبہ اقبال کے خطوط میں شامل ہیں۔ اقبال شناس اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ شہادتوں کے باوجود ان خطوط کو شامل متن رکھنا تحقیق کا مذاق اڑانا ہے مگر مظفر حسین برنی نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"ان خطوط میں اقبال نے لمعہؔ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور جو ستائشی کلمات لکھے ہیں وہ لمعہؔ کی نسبتاً غیر معروف شخصیت اور اقبال کے انداز تحسین سے میل نہیں کھاتے۔ مگر ان شکوک کی بنیاد مضبوط نہیں ہے اور شیخ اعجاز احمد صاحب بھی تصدیق کرتے ہیں کہ لمعہؔ سے اقبال کی مراسلت تھی۔ لمعہؔ اقبال کو کتابیں بھی بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے جس میں دو ایک کتابیں شیخ اعجاز احمد صاحب کے پاس تاحال محفوظ ہیں۔ اقبال نے 20 فروری 1935ء کو بھوپال سے بھی ایک خط عباس علی خاں لمعہؔ کو لکھا تھا"(3)

اس طرح مظفر حسین برنی نے اپنا مقصد واضح کیا۔ وہ خطوط "اقبال نامہ" مرتبہ شیخ عطاء اللہ سے اخذ کیے تھے۔ اب اقبال نامہ یک جلدی ترتیب دیا گیا ہے جس میں لمعہ کے نام خطوط کو خارج کر دیا گیا ہے۔ اب آئندہ اس مآخذ کے استعمال کا رنگ مختلف ہو گا۔ کلیات مکاتیب اقبال مرتبہ مظفر حسین برنی میں جو غلطیاں ہیں ڈاکٹر تحسین فراقی نے ان کی فہرست بھی جاری کی ہے۔ جہات اقبال میں کلیات مکاتیب اقبال جلد دوم کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"حیرت اور افسوس اس بات کا ہے کہ کلیاتِ مکاتیب اقبال جلد دوم، میں بھی ابن حزم کی "فہرست" درج ہے۔ 47 برس بعد دوبارہ شائع ہونے والا مکتوب بھی صحت متن سے محروم ہے"(4)

تحسین فراقی کی تحقیق سے مظفر حسین برنی ہی کیا اقبال اکادمی پاکستان نے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اقبال نامہ طبع نو(تصحیح و ترمیم شدہ یک جلدی) کے بارے میں باقاعدہ لکھا گیا ہے کہ تحسین فراقی کی تحقیق و تصحیح متن کو بنیاد بنا کر اس یک جلدی اشاعت کا کام مکمل ہوا ہے۔ اس کے لیے ادارے نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا ہے مگر وہاں بھی تحسین فراقی کی تحقیق سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا اور ابن حزم کی فہرست کا معاملہ ویسے ہی درج ہے:

"منصور حلاج کا رسالہ کتاب الطواسین جس کا ذکر ابن حزم کی "فہرست" میں ہے"(5)

اس طرح خطوط میں کئی غلطیاں بار بار کی اشاعت کے باوجود چلی آ رہی ہیں۔ اس حوالہ سے خاص طور پر توجہ درکار ہے۔ ساتھ ہی ناقدین نے شاعری کے حوالہ سے بھی کچھ متروک اشعار پر توجہ مبذول کرائی ہے۔ اقبال بنارسی کے اشعار کو اقبال سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹر صابر کلوروی کی تحقیق کا حوالہ بھی دیا ہے۔ کچھ مقالہ جات کو غلط فہمی کی ابتدا قرار دیا جا سکتا ہے جن میں اقبال بنارسی کے دو اشعار کو اقبال کی غزل میں شامل کیا گیا۔ اس لیے متن کی تدوین پر توجہ دینے کی ضرورت اور اہمیت پر توجہ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ "ضربِ کلیم" کے پہلے ایڈیشن سے ابتدائی اشعار اور عبارت کو حذف کر دیا گیا۔ یہ ضربِ کلیم کے پہلے ایڈیشن کا قصہ ہے۔ اقبال کی تحریروں میں تحریف کے خلاف آواز بلند کرنے کا یہ انداز انتہائی جذباتی ہی کیوں نہ ہو مگر اقبالیات کے نصاب کا دامن کشادہ کرنے کے لیے وقت کا تقاضا ہے۔ اس سے اقبال کے فکر و فلسفہ اور اقبال کی شخصیت پر بھی سوالیہ نشان پیدا ہو جاتا ہے۔ تحقیق و تدوین کے معاملہ میں ہماری تعلیمی ذمہ داری ہے کہ ابتدائی مآخذ کا بغور مطالعہ کریں تاکہ ثانوی مآخذ تک پہنچتے پہنچتے بھی اقبال کی فکر اور اقبال کے فلسفہ پر کوئی آنچ نہ آ سکے۔

اقبال کے فن کی وسعت اب زمان و مکاں کی حدود سے باہر ہے۔ قبال کے فلسفہ و شعر میں جو حسن پایا جاتا ہے، اس کی مثال ادب میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ اقبال کے فکر و فن کا اثر یہ ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے وہ فکر و فن ایک تہذیب قرار پایا اور ساتھ ہی ساتھ اس فکر و فن کو معیار قرار دیتے ہوئے انسان نے ایک نتیجہ خیز نصاب قرار دے دیا۔ اس طرح اقبال کی عظمت اور مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔ اقبال کی انفرادیت اور مرکزیت سامنے آئی اور تمام لوگ بلا تفریق انہیں اعزاز و احترام کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اقبال کے معاصرین کی فہرست تیار کریں تو ان میں ماہ و سال کی ترتیب سے دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاریخ پیدائش کی ترتیب سے معاصر قرار دینا مناسب نہیں۔ کئی ادبی ماہرین کی عمر میں فرق ہے مگر وہ معاصرین کہلاتے ہیں۔ مثلاً سرسید، حالی اور شبلی وغیرہ۔ اقبال کے پاس علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ آپ کی یادداشت قابل رشک ہے۔ آپ کی تیز نگاہیں راز دوعالم کے اسرار منکشف کرتیں۔ اقبال ایسا شاعر تھا جس کا مقابلہ رومی اور گوئٹے سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ وہ زندگی کا شاعر تھا۔ ان کے فلسفیانہ خیالات، ان کی فکری تخلیق کی جدوجہد کے نتائج ہیں۔ اقبال یورپ کی یونیورسٹیوں کے سند یافتہ تھے مگر مغربی تہذیب سے حیرت انگیز طور پر محفوظ تھے۔ لاہور کی سرزمین کی خوش قسمتی تھی کہ وہاں اقبال جیسا دانش در موجود تھا۔ جو لوگ غالب پر تحقیقی کام کر چکے تھے انہوں نے اقبال کے دور میں

اقبال پر بھی قلم اٹھایا، اقبال کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا اور اقبال کے ان سے تعلقات بھی بہت عمدہ رہے۔ مخالفین بھی اقبال کے ساتھ اشتراک خیال پر خوشی کا اظہار کرتے تھے اور خوشی سے اس بات پر اقبال کے ساتھ تعلق قائم رکھتے اور س تعلق کو آگے بڑھانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ روانہ ہوئے تو پہلے نظام الدین اولیا کے مزار پر ہونے والی محفل میں شرکت فرمائی۔ آپ نے یہاں اپنی مشہور نظم "التجائے مسافر" پڑھی۔ اس نظم میں آپ نے اپنے استاد "مولوی میر حسن" کی مدح سرائی کی ہے اور اسی نظم میں اپنے بڑے بھائی کے حوالہ سے بھی تعریفی اشعار کہے ہیں۔ اقبال کے معاصرین میں بہت سی علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی شخصیات کے نام آتے ہیں۔ اقبال کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ اقبال کے دور میں ایسی شخصیات بکثرت پائی جاتی تھیں جو علم و فضل میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ اقبال بھی ان میں ایک تھے مگر اقبال کی شخصیت سب سے نمایاں تھی۔ ماہرین کے بقول:

> "یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اقبال کا دور برصغیر کے تاریخ ساز افراد و افکار کے اختلاط کا دلنشیں مرکب ہے۔ ہماری تہذیبی تاریخ کے کسی دور میں ایسی بلند و بالا شخصیتوں کا اجتماع کبھی نہیں ہوا۔ اس اجتماع میں اقبال کی شخصیت درخشاں کی سی ہے"(6)

ستاروں کی اس کہکشاں سے چند ستارے منتخب کرتے ہوئے اقبال کے ساتھ ان کے تعلق کے مختصر احوال پر نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ ارشد گورگانی ہیں جو دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لاہور کے ایک مشاعرے میں پہلی بار اقبال کا شعر سنا تو بہت تعریف کی۔

ے موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے   قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے(7)

شبلی اگرچہ اقبال کے معاصر نہ تھے مگر شبلی کی اس بات کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ جب آزاد اور حالی کی کرسیاں خالی ہوں گی تو لوگ اقبال کو ڈھونڈ لیں گے۔ خواجہ حسن نظامی بھی اس دور کی اہم شخصیت ہیں۔ اقبال کو حکیم الامت کا لقب عوام میں آپ ہی کے مجلوں کی وجہ سے مشہور ہوا۔ 1905 میں اقبال لندن گئے وہاں عطیہ فیضی، سر عبدالقادر، پروفیسر آرنلڈ سے علمی روابط قائم ہوئے۔

اساتذہ میں مولانا میر حسن کو پروفیسر عبدالحق نے "اقبال گر" قرار دیا ہے۔ منشی محمد دین فوق سیالکوٹی اقبال کے ہم وطن اور ہم راز تھے۔ ان کے لیے اقبال قوم اور ملک کے لیے فخر کا باعث تھے۔ سید نذیر نیازی سے اقبال کا تعلق بہت اہم رہا ہے۔ اقبال کے سب سے زیادہ خطوط ان کے نام سامنے آئے ہیں۔ عبدالمجید سالک نے بھی اقبال کو بہت قریب سے دیکھا۔ علی بخش جو ہر دم اقبال کے ساتھ رہا۔ اقبال کا ملازم اور عمر بھر کا رفیق۔ اس سے پوچھیں تو کہے گا کہ اس نے اقبال جیسا انسان نہیں دیکھا۔ مولانا ظفر علی خان کے نزدیک اقبال ایک بلند پایہ مفکر، ہر دلعزیز اور پرکشش انسان تھے۔

پروفیسر رینالڈ اے نکلسن نے اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کیا اور بھوپال کا قیام اقبال اور سر راس مسعود کے قلبی تعلق کا پتہ دیتا ہے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد، سر اکبر حیدری دولت آصفیہ کے سربراہ نظام دکن بہادر یار جنگ۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق۔ ایک طویل فہرست ہے۔ جو

اقبال کے پرستاروں میں شامل ہیں۔ سیاست کے میدان میں پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی اقبال کا دوستانہ تعلق تھا۔ پروفیسر عبدالحق نے پنڈت جواہر لال نہرو کی تصنیف "تلاش ہند" میں لکھے گئے اقبال کے بارے میں چند کلمات قلمبند کیے ہیں جو کچھ یوں ہیں۔

"اقبال ایک شاعر، ایک عالم اور فلسفی تھے۔ باوجود اختلاف کے ہم دونوں میں کسی قدر اشتراک خیال ہے اور کتنی آسانی کے ساتھ ان سے نباہ ہو سکتا ہے۔ میں ان کا اور ان کی شاعری کا مداح تھا۔ اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ وہ مجھے بہت پسند کرتے تھی"(8)

حفیظ جالندھری اقبال کا احترام کرتے تھے۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی کے بھی اقبال سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ کسی بھی شخص کی اچھائیوں اور برائیوں یا خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں معاصرین ہی بتاتے ہیں اسی طرح اگر انسان کی سوچ میں، فکر میں، فلسفہ میں، شاعری میں یا کسی بھی طرح سے کوئی خوبی یا خامی ہو تو معاصرین ہی اس طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اسے تنقیدی جائزہ سمجھ لیں کیونکہ ترقی پسندوں نے اقبال کے ساتھ جو کچھ کیا اور اہل زبان نے اقبال پر جو اعتراضات کیے وہ بھی تو معاصر ہی تھے مگر ان کی رائے ظاہر ہے متضاد ہو گی۔

اس مضمون میں شرح کے مفہوم کو بھی توسیع دی ہے۔ اسماء الرجال، روایت اور تدوین کے ساتھ ساتھ شرح نگاری کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے۔ ان موضوعات پر بزرگوں نے بہت محنت کی ہے۔ شرح لکھنے کی ابتدا بھی قرآن پاک سے ہوئی جو اب بھی جاری ہے۔ تحقیق بتاتی ہے:

"زمانہ قدیم کی تفسیر ابن کثیر سے لے کر دور حاضر کی سید قطب شہید کی ظلال القرآن یا مولانا مودودی کی تفہیم القرآن تک اتنا بڑا سرمایہ کسی ایک کتاب کی شرح کے لیے وجود میں نہیں آیا"(9)

قرآن پاک صرف ایک آسمانی صحیفہ نہیں ہے بلکہ ذکر و فکر کے ساتھ آداب زندگی کا ایک عظیم دستور بھی ہے۔ اس کے معانی اور مفاہیم سمجھنے کے لیے، استعمال کرنے کے لیے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے لازم تھا اس کی شرح اور تفسیر بیان کی جائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر شرح و تفسیر کا کام کیا گیا۔ اس کتاب کے علاوہ کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں ہے جس کی اتنی زیادہ شرح و تفسیر کی گئی ہو۔ ایک ایک لفظ کی تفہیم ہمارے سامنے آئی ہے۔ یہ ہماری سعادت بھی ہے اور سرفرازی بھی۔ اس طرح شرح کا کام پروان چڑھتا رہا۔ شارحین نے جب شرح کا کام شروع کیا تو بات قصائد اور غزلیات تک بھی پہنچی۔ غالب کی مشکل پسندی تو مشہور ہے اس کے کلام کی شرح بھی سامنے آئی۔ استاد ابراہیم ذوق جیسے آسان اور سادہ گو شاعر کے کلام کی شرح بھی "شوق" نامی ایک بزرگ نے کی۔ اس طرح مومن کی غزلوں اور قصائد کی شرح لکھی گئی۔ "شمس الرحمن فاروقی" جو کہ شرح نگاری کی تاریخ میں اردو زبان کے مایہ ناز نقاد اور دانشور ہیں۔ آپ کی تصنیف "شعر شور انگیز" میں کلام میر کی شرح و تفسیر پر اس کتاب کی ضخیم جلدیں میر شناسی کے معتبر حوالے ہیں۔ شرح نگاری کے تقاضے مختلف ہو سکتے ہیں۔ انہیں اسباب کے تحت شرحیں لکھی جاتی ہیں۔ شرح نگاری کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مشکل صورت ہو اور سمجھ میں نہ آتا ہو پھر شرح کی جاتی ہے تاکہ افراد کے مطالعہ میں آسانی پیدا ہو سکے۔ دوسری ضرورت نصابی ہے۔ یعنی نصاب کے لیے شرح کی جائے اور طلبا کو اگر پہلے کوئی دشواری ہو رہی ہو تو شرح شدہ کتاب کا مطالعہ کرنے سے آسانی پیدا ہو سکے۔ اس قسم کی شرحیں اساتذہ کے لیے بھی فائدہ مند ہیں اور طلبا کے لیے بھی۔ کلامِ اقبال کی شرحیں بھی ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر کی گئی ہیں۔ کلامِ اقبال ہر سطح پر کسی نہ کسی طرح

نصاب کا حصہ ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اقبال کا کلام ہمہ جہت ہے۔ اقبال کے حوالہ سے شاید ایسا رویہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ شارحین اقبال کا مقصد یہی رہا ہے کہ اقبال کے فکر و فلسفہ کو آسان بنا کر پیش کیا جائے۔

شرح کی روایت اتنی عام ہوئی کہ شرحوں کی بھی شرحیں منظر عام پر آنے لگیں۔ طب کی بہت سی کتابوں کی شرحیں ملتی ہیں۔ اس سلسلے کو فارسی زبان و ادب میں بہت فروغ حاصل ہے۔ بہت سے شاعروں کے کلام کی شرحیں بڑے اہتمام سے لکھی گئیں۔ اردو زبان پر فارسی کے بہت زیادہ اثرات ہیں۔ اردو کے بہت سے اظہار، اسالیب اور موضوعات فارسی سے ہی مستعار لیے گئے ہیں۔ شرح نگاری کے کام پر دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ غالب اور اقبال کے کلام پر خاص توجہ دی گئی۔ اگرچہ غالب پر توجہ زیادہ اور اقبال پر کم نظر آتی ہے مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کی تمام تخلیقات کی شرح لکھنے کے لیے ایک لمبی عمر چاہیے۔ شرح سے قطع نظر، تراجم کے اعتبار سے اقبال سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔ شرح اور ترجمہ مختلف چیزیں ہیں۔ اس طرح شرح تفسیر اور حاشیہ نگاری کے حوالہ سے پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں:

> ”شرح نگاری کے حدود مختلف ہیں۔ ان کو ذرا توسیع دیجیے تو اس کے کئی پہلو نظر آئیں گے۔ زیادہ مفصل صورت کو تفسیر کہتے ہیں اور مختصر کیجیے تو حاشیہ نگاری بن جائے۔ حاشیہ نگاری کا بھی بڑا رواج رہا ہے۔ اردو میں شاہ رفیع الدین کی موضع القرآن اس کی پہلی اور اچھی مثال ہے“(10)

اقبال کے کلام پر نگاہ ڈالیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عام قاری کا اقبال کے مفہوم کو سمجھنا آسان نہیں بلکہ بعض مقامات پر تو گمراہ کن بھی ہو سکتا ہے۔ شارحین نے اپنے اپنے انداز میں جو شرح کی ہے اس سے بھی نتائج بھیانک ہی برآمد ہوئے ہیں۔ شارحین نے اقبال کے فکر و فن کی ایسی شرح پیش کی ہے کہ اقبال کو بھی معلوم نہ ہو سکا یہ مفہوم کیسے اخذ کر لیا گیا ہے۔ اقبال نے جو بات کہی ہے اس میں مختلف تعبیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اقبال کے فکر و فن میں باقاعدہ نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔ ساری بات مرکزی خیال کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ پھر بھی چند شارحین نے اپنا کمال دکھا کر کلام اقبال کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ بہت سے ناقدین کے نزدیک کچھ اور مفہوم لیتے ہیں۔ اقبال کی شرح کے لیے پورے کلام پر نظر رکھنا ضروری ہے۔

پروفیسر عبدالحق نے کلام اقبال کے دو بڑے شارحین یوسف سلیم چشتی اور مولانا غلام رسول مہر کی مثالیں دی ہیں۔ غلام رسول مہر کی شرح کے حوالہ سے پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

> ”ان کی حیثیت صرف شرح نگار کی نہیں بلکہ ادیب و ناقد اور محقق کی ہے۔ اس لیے ان کی شرحوں میں اعتبار کا پہلو زیادہ ہے۔ تشریح میں توازن اور ایک ہم آہنگی ہے۔ انہوں نے بہت اختصار سے بھی کام لیا ہے جو ان کی شرحوں کے لیے معیوب ہے“(11)

صوفی تبسم نے بانگ درا کی شرح لکھی۔ اس کے بارے میں خیال یہ ہے کہ یہ صرف پبلشر کی ضرورت اور مالی فائدہ حاصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔

یوسف سلیم چشتی نے "بانگ درا" کی شرح کی ہے۔ اس میں متن بھی موجود ہے جس سے تفہیم زیادہ آسان ہو گئی ہے۔ "ضرب کلیم" کی جو شرح یوسف سلیم چشتی نے کی تھی اس میں صرف تشریحی عبارت ہے۔ مولانا غلام رسول مہر کی "مطالب کلام اقبال اردو" میں متن موجود ہے۔

شرح کے حوالہ سے شبلی نعمانی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ شعر العجم یا مقالات میں شبلی نے جس طرح شعر کی تشریح کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ شبلی کے فن اور ہنر مندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کلام اقبال کے شارحین اس سے محروم ہیں۔ یوسف سلیم چشتی اپنی شرح میں مذہب اور فلسفہ کو زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے۔ بعض جگہوں پر تو باتوں کو اتنا بڑھا دیتے تھے کہ پڑھنے والے کا ذہن اسے قبول ہی نہ کرتا۔ "بانگ درا" کی نظم "التجائے مسافر" کی شرح کے حوالہ سے پروفیسر عبد الحق لکھتے ہیں:

> "ایسی شرح جو اقبال کے وہم و گمان میں نہ تھی اور نہ اقبال کا کوئی بھی سنجیدہ طالب علم اسے قبول کر سکتا ہے۔"(12)

شارحین کی ایک نوعیت اور بھی ہے۔ انہوں نے کلام اقبال کی شرح تو نہیں لکھی مگر اقبال کے فکر و فن کے حوالہ سے کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں کی مدد سے اقبال کے فلسفہء و شعر کی وضاحتیں سامنے آئی ہیں۔ اقبال کے کلام کی شرحوں کا کام ختم نہیں ہوا۔ اقبال شاعر بھی تھے اور پیامبر بھی شارحین اقبال کی ذمہ داری ہے کہ اقبال کے پیغام کو وسعت نگاہ سے دیکھیں۔ تنگ نظر لوگوں نے اقبال میں اختلاف کے نکات پروان چڑھانے شروع کر دیے۔ کوئی گروہ اقبال کے اشعار و افکار کی تشریح اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے کرتا ہے اور دوسرا گروہ اقبال کو قابل مذمت سمجھتا ہے۔ وہ اقبال کو رجعت پسند قرار دیتا ہے۔ آمریت کا دعویدار کہتا ہے۔ تنگ نظری اور روحانیت پسندی کا الزام اقبال پر لگاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی کہتے ہیں:

> "ہر دور کے غبی مفاد پرستوں نے اقبال جیسے شاعروں کے کلام کی مفید مطلب تشریح کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ یہ تو وہ حضرات ہیں جو بقول اقبال اپنے مقاصد کی بجا آوری کے لیے قرآن مجید تک کو بدل ڈالتے ہیں"(13)

حقیقت بھی یہی ہے اور ایسے شارحین کی تعداد روز بروز بڑھ بھی رہی ہے۔ ایسے لوگ حقیقی اقبال شناسی کی راہ میں بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری میں سب سے زیادہ زور حق و باطل کے فرق پر دیا ہے مگر ہم اس فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ پروفیسر عبد الحق نے "جاوید نامہ" سے "شاهد ان" کا جواب "زندہ رود" کے لیے اخذ کیا ہے کہ خراج کا حق دار وہ جوان مرد ہے جو باطل قوتوں کے خلاف طوفانی ہوا کی طرح اٹھے، جو شہروں کو فتح کرے۔ جنگ کے موقع پر زبردست قوت کا مظاہرہ کرے اور امن کے موقع پر دلبری اختیار کرے۔ لوگوں کے دلوں میں گھر کرے۔

یا جواں مردے چو صرصر تند خیز شہر گیر و خویش باز اندر ستیز

روز کیں کشور کشا از قاہری روز صلح از شیوہ ہائے دلبری(14)

پروفیسر عبد الحق نے لکھا ہے کہ:

"سردار جعفری کو ان اشعار میں پنڈت نہرو کی شخصیت نظر آتی ہے کیونکہ وہ محترم بھی ہیں اور مفید مطلب بھی۔ موقع پرستی کا تقاضا بھی تھا کہ اقبال کے مثالی انسان کو وزیر اعظم کے لباس میں حلول کرکے دیکھا جائے"(15)

یہ ترقی پسندوں کے نظریات ہیں۔ "ترقی پسند ادب" کے سردار جعفری ہوں یا اختر حسین رائے پوری یا مجنوں گورکھپوری، ان صاحبان نظر نے اقبال کی سب سے زیادہ غلط اور گمراہ کن تعبیر کی ہے۔ پروفیسر اسلوب احمد کی اقبال شناسی ایک سنجیدہ علمی اور متوازن رجحان کی حامل ہے۔ "اقبال کی تیرہ نظمیں" آپ کے تخلیقی سفر کا خاص کارنامہ ہے۔ خواجہ محمد ذکریا کی شرح "مطالب بال جبریل" کو سب سے بہتر قرار دیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بھی "اقبال کی طویل نظمیں" کے عنوان سے ایک شرح مرتب کی ہے۔ اس میں شامل نظمیں کا فکری وفنی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ پیش لفظ میں ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا نے لکھا ہے۔

"اندریں حالات ایسی کتاب کی شدید ضرورت تھی جس میں ہر نظم کا تاریخی پس منظر، اس میں بیان کردہ واقعات کی تفصیلات اور فنی باریکیاں شرح وبسط سے قلم بند کی گئی ہوں۔ ہاشمی صاحب ان دقتوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہر نظم کا پس منظر، پیش منظر اور فنی تجزیہ بڑی وضاحت اور جامعیت سے تحریر کیا ہے۔ اس طرح ایک ایسی کتاب وجود میں آئی ہے جو اقبالیات کے طلباء کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ہاشمی صاحب نے اقبالیات کے جملہ پہلوؤں کا دقت نظر سے مطالعہ کر رکھا ہے۔ اس لیے ان کی نظر ان نظموں کے تمام پہلوؤں پر پڑی ہے اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا"(16)

اس کے علاوہ شرح کی ایک اور کتاب جو اپنی مثال آپ ہے وہ ڈاکٹر توقیر احمد خاں کی "شعریات بال جبریل" ہے۔ پیش لفظ میں ڈاکٹر صاحب خود اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اردو زبان میں امیجری کے فن پر کوئی کتاب دستیاب نہ تھی۔ اس لیے سب سے پہلے اس کو جاننا اور سمجھنا ضروری تھا۔ لہٰذا پہلا باب امیجری کی تعریف و تفہیم کے لیے وقف کیا گیا بعد ازاں دوسرے باب میں اقبال کے پیکروں کا مطالعہ بال جبریل کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ کلام اقبال کے اس نوع کے مطالعہ کی یہ اولین کوشش تھی جو غیر معمولی تاخیر کے ساتھ منظر عام پر آرہی ہے لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اپنے موضوع پر ایک نئی اور تازہ کوشش ہی شمار کی جائے گی"(17)

اس طرح کئی تخلیقات و تصانیف ہوں گی جو خلوص دل سے اقبال کے فکر و فلسفہ کی شرح بیان کر رہی ہوں گی۔ ذرائع ابلاغ میں تحریر کو تقدیس کی عظمت حاصل ہے۔ شارحینِ اقبال کا احترام اپنی جگہ مسلّم ہے مگر حرمتِ اقبال کا اسیر ہو کر من موہنی شرح سے افکار کی تصدیق کے راست تحقیقی نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ پڑھے لکھے اور باشعور انسانوں نے ہی ایسے کرشمے اور کارنامے دکھائے ہیں جس نے فکرِ اقبال کو مشکل بنا دیا ہے۔ ایسی شرحیں بھی موجود ہیں جن میں شارحین نے اپنی رائے کے اظہار میں بہت سے اشعار کو نسبتاً کمزور کہا ہے۔ شارحین نے

اس بات پر بھی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ متعدد تخلیقات کو علامہ اقبال نے کس بنا پر مسترد کر دیا تھا جبکہ اپنے معیار اور اسلوب کے حوالے سے یہ تخلیقات کہیں بہتر ہیں۔ یہ تنقید نہیں بلکہ صرف ایک صوتِ حال کی نشاندہی ہے۔

اقبال کی تحریروں میں تحریف اور نامناسب شرح سے قارئین بدک جاتے ہیں۔ قاری کو فکرِ اقبال کی ارتفاعیت اور ارجمندی سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔ یہ علم پروری نہیں ہے اور نہ ہی اقبال دوستی ہے۔ فکرِ اقبال میں محویت کے بغیر کلامِ اقبال کے معجزات کی نمود ممکن نہیں ہے۔ عصری تناظر میں فکرِ اقبال کی معنویت کے لیے شارحین کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالحق، پروفیسر، "اقبال اور اقبالیات"، (سرینگر: میزان پبلشرز رجسٹرڈ، اشاعت دوم)، ص:۱۱۲

۲۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد اول، مرتبہ سید مظفر حسین برنی، (دہلی: اردو اکادمی، اشاعت پنجم) ص:۵۱

۳۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد اول، مرتبہ سید مظفر حسین برنی، ص:۵۰

۴۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، "جہات اقبال"، مضمون، اقبال نامہ، مرتبہ شیخ عطااللہ، "چند گزارشات، چند تصیحا ت"، (لاہور: بزم اقبال، نومبر ۱۹۹۳)، ص:۹۵

۵۔ اقبال، اقبال نامہ، یک جلدی، مرتبہ، شیخ عطااللہ، (لاہور: اقبال اکادی پاکستان، طبع نومبر ۲۰۰۵ء)، ص:۱۰۰

۶۔ عبدالحق، پروفیسر، "تنقید اقبال اور دوسرے مضامین"، دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، مئی ۱۹۷۶ء)، ص:۴۷

۷۔ اقبال، "کلیات باقیات شعر اقبال، متروک اردو کلام"، مرتبہ صابر کلوردی، مکمل متروکہ غزلیں، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۲۰۰۴ء)، ص:۲۴۴

۸۔ عبدالحق، پروفیسر، "تنقید اقبال اور دوسرے مضامین"، صفحہ ۸۳

۹۔ عبدالحق، پروفیسر، "اقبال کا حرفِ شیریں، اقبال اور شارحین"، (نئی دہلی: اصیلا پریس، اگست ۲۰۱۴ء)، ص:۹۴

۱۰۔ ایضاً، ص:۹۷

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۰۲

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۰۵

۱۳۔ صدیقی، محمد علی، ڈاکٹر، "تلاشِ اقبال"، (دہلی 6۔ کاک آفسیٹ پرنٹرس، ۲۰۰۴ء)، ص:۱۱۵

۱۴۔ اقبال، "کلیاتِ اقبال فارسی"، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،) ص:۱۰۷

۱۵۔ عبدالحق، پروفیسر، ا"قبال کا حرفِ شیریں، اقبال اور شارحین"، ص:۱۰۸

۱۶۔ زکریا، خواجہ محمد، "پیش لفظ"، "اقبال کی طویل نظمیں" مصنفہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ص:۸

۱۷۔ خاں، توقیر احمد، ڈاکٹر، "شعریاتِ بالِ جبریل"، (میرٹھ: نامی پریس، دسمبر ۱۹۹۵ء)، ص:۹